

## سیاحوں کی نظر سے سماج کا تصور (تقریباً دسویں صدی سے سترہویں صدی تک)

کام کی تلاش میں عورتوں اور مردوں نے قدرتی آفات سے بچنے کے لیے تاجروں، فوجیوں، پروہتوں اور زائرین کی شکل میں یا پھر ہم جوئی کے شعور و احساس سے سرشار ہو کر سیاحت کی ہے۔ وہ لوگ جو کسی نئے مقام پر آتے ہیں یا آباد ہو جاتے ہیں یقینی طور پر ایک ایسی دنیا کو اپنے سامنے پاتے ہیں جو مناظر یا ماڈی ماحول کی اصطلاح میں اور ساتھ ہی لوگوں کی رسوم، زبان، اعتقادات اور سلوک و عمل میں مختلف ہوتی ہے۔ ان میں سے کچھ ان اختلافات کے مطابق ڈھل جاتے ہیں اور دیگر جو کچھ حد تک خاص ہوتے ہیں، انھیں بغور اپنے تذکروں میں رقم کر لیتے ہیں۔ جس میں غیر معمولی اور قابل ذکر باتوں کو زیادہ اہمیت دی جاتی ہے۔ بد قسمتی سے ہمارے پاس خواتین کے ذریعہ چھوڑے گئے سفر نامے نہیں ہیں۔ حالانکہ ہم یہ جانتے ہیں کہ وہ بھی سیاحت کیا کرتی تھیں۔



شکل (a) 5.1  
پان کے پتے

محفوظ بچے تذکرے، مواد مضمون کی اصطلاح میں مختلف اقسام کے ہوتے ہیں۔ کچھ دربار کی سرگرمیوں سے متعلق ہوتے ہیں جب کہ دیگر مذہبی مسائل پر مرکوز ہوتے ہیں یا فن تعمیر monuments کی خصوصیات اور یادگاروں پر مرکوز ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر پندرہویں صدی میں وجے نگر شہر (باب 7) کے سب سے اہم تذکروں میں سے ایک تذکرہ ہرات سے آئے ایک سفیر عبدالرزاق سمرقندی سے حاصل ہوتا ہے۔



شکل (b) 5.1  
ناریل، کئی سیاحوں نے  
ناریل اور پان جیسی اشیاء کو  
غیر معمولی مانا ہے۔

کئی مرتبہ سیاح دور دراز علاقوں میں نہیں جاتے تھے۔ مثلاً مغل سلطنت (باب 8 اور 9) میں، انتظامیہ کے افسران کبھی کبھی سلطنت کے اندر ہی سفر کیا کرتے تھے اور اپنے مشاہدات قلمبند کرتے تھے۔ ان میں سے کچھ اپنے ہی ملک کے مقبول رسوم و رواج، روایات و عقائد، عوامی حکایتوں (Folklore) میں دلچسپی رکھتے تھے۔ اس باب میں ہم یہ دیکھیں گے کہ برصغیر میں آئے سیاحوں کے ذریعہ بیان کیے گئے سماجی تذکروں کے مطالعہ سے ہم کس طرح اپنے ماضی کے متعلق علم میں اضافہ کر سکتے ہیں۔ اس کے لیے ہم تین افراد کے تذکروں پر اپنی توجہ مرکوز کریں گے: البیرونی، جو گیارہویں صدی میں ازبکستان سے آیا تھا۔ ابن بطوطہ (چودھویں صدی) مراکش (Morocco) سے اور فرانسیسی سیاح فرانس برنیئر (Francois Bernier) سترہویں صدی میں برصغیر ہند میں آیا تھا۔

ماخذ 1

## البیرونی کے مقاصد

البیرونی نے اپنے کام کا ذکر اس طرح کیا ہے:  
ان لوگوں کے لیے معاون جوان سے (ہندوؤں)  
مذہبی مسائل پر بحث کرنا چاہتے ہیں۔ ایسے لوگوں  
کے لیے اطلاعات کا خزانہ جوان کے ساتھ متعلق  
ہونا چاہتے ہیں۔

• البیرونی کی کتاب کا یہ اقتباس پڑھیے  
(ماخذ 5) اور بحث کیجیے کہ کیا یہ کتاب  
ان مقاصد کو پورا کرتی ہے۔

ان مصنفین کے پوری طرح سے مختلف سماجی و ثقافتی ماحول سے آنے کے سبب روزمرہ  
کی سرگرمیوں اور رسم و رواج کے تئیں یہ عموماً زیادہ متوجہ رہتے تھے جو ملکی مصنفین کے لیے عام  
موضوع تھے اور تذکروں میں درج کرنے کے قابل نہیں تھے نظریہ میں اختلاف ہی سفرناموں کو  
زیادہ دلچسپ بناتا ہے۔ سیاح سفرنامے کس کے لیے تحریر کرتے تھے؟ ہم دیکھیں گے کہ ان کے  
جوابات الگ الگ مثالوں میں مختلف ہیں۔

## 1. البیرونی اور کتاب الہند

### 1.1 خوارزم سے پنجاب تک

البیرونی کی پیدائش 973 میں جدید ازبکستان میں واقع خوارزم میں ہوئی تھی۔ خوارزم ایک علمی  
و تعلیمی مرکز تھا۔ البیرونی نے اس وقت کی ممکن الحصول اعلیٰ تعلیم حاصل کی تھی۔ وہ کئی زبانوں جیسے  
شامی (سیریائی)، فارسی، عبرانی (ہیبرو) اور سنسکرت کا عالم تھا۔ حالانکہ وہ یونانی زبان نہیں جانتا تھا  
پھر بھی وہ افلاطون (Plato) نیز دیگر یونانی فلسفیوں کے کاموں سے واقف تھا جن کے اس نے  
عربی تراجم پڑھے تھے۔ 1017 عیسوی میں خوارزم پر حملے کے بعد سلطان محمود، یہاں کے کئی  
عالموں اور شعرا کو اپنے ساتھ اپنے دارالسلطنت غزنی لے گیا تھا۔ البیرونی بھی ان میں سے ایک  
تھا۔ وہ بطور یرغمال غزنی آیا تھا مگر آہستہ آہستہ اس کو یہ شہر پسند آنے لگا۔ 70 سال کی عمر میں اپنی  
موت تک اس نے اپنی زندگی یہیں بسر کی۔

غزنی میں ہی البیرونی کی ہندوستان کے تئیں دلچسپی پیدا ہوئی۔ یہ کوئی غیر معمولی بات  
نہ تھی۔ آٹھویں صدی سے سنسکرت میں لکھی علم فلکیات، ریاضی اور طب سے متعلق کتابوں کا غزنی  
زبان میں ترجمہ ہونے لگا تھا۔ پنجاب کا غزنی سلطنت کا حصہ بن جانے کے بعد مقامی لوگوں سے  
ہوئے رابطوں نے آپسی اعتماد اور فہم پیدا کرنے میں مدد کی۔ برہمن پروہتوں اور عالموں کے  
ساتھ کئی سال گزارے۔ سنسکرت، مذہب اور فلسفہ کا علم حاصل کیا۔ حالانکہ اس کے سفر کی تفصیلات  
واضح نہیں ہیں پھر بھی ایسا لگتا ہے کہ اس نے پنجاب اور شمالی ہندوستان کا وسیع سفر کیا تھا۔

اس کے تحریر کرنے کے زمانے میں ہی سیاحتی ادب (سفرنامے) عربی ادب کا ایک  
قابل قبول حصہ بن چکا تھا۔ یہ اب مغرب میں صحارا ریگستان سے لے کر شمال میں دو لگانہ تک  
پھیلے علاقوں سے متعلق ہیں۔ گرچہ 1500 عیسوی سے قبل ہندوستان میں البیرونی کو کچھ ہی

## متون ترجمے،

### خیالات کی شمولیت

کئی زبانوں میں مہارت حاصل کرنے کے سبب  
البیرونی، زبانوں کا موازنہ اور کتابوں کا ترجمہ کرنے  
کے قابل ہوا۔ اس نے کئی سنسکرت کتابوں بشمول پتھلی  
کی گرامر کی کتاب کا عربی میں ترجمہ کیا۔ اپنے برہمن  
دوستوں کے لیے اقلیدس (Euclid)، ایک یونانی  
ریاضی داں، کے کاموں کا سنسکرت میں ترجمہ کیا۔

نظام وزن و پیمائش (Metrology) پیمائش کی سائنس ہے۔

### ہندو

اصطلاح ”ہندو“ تقریباً چھٹی۔ پانچویں صدی قبل مسیح میں مستعمل قدیم فارسی لفظ سے نکلی ہے۔ جس کا استعمال سندھ ندی کے مشرقی علاقوں کے لیے ہوتا تھا۔ عربوں نے اس فارسی لفظ کو مستعمل رکھا اور اس علاقے کو ”الہند“ کہا۔ بعد میں ترکوں نے سندھ کے مشرق میں رہنے والے لوگوں کو ”ہندو“ اور ان کی سرزمین کو ”ہندوستان“ اور ان کی زبان کو ”ہندوی“ کا نام دیا۔ ان میں سے کوئی بھی اصطلاح لوگوں کی مذہبی شناخت کی مظہر نہیں تھی۔ ایسا بہت بعد میں ہوا تھا کہ اس اصطلاح کا استعمال مذہبی تعبیر کے لیے کیا جانے لگا۔

لوگوں نے پڑھا ہوگا لیکن ہندوستان سے باہر ممکن ہے کتنے ہی افراد اسے پڑھ چکے ہوں۔

## 1.2 کتاب الہند

المیرونی کی تخلیق ”کتاب الہند“ کی عربی تحریر آسان اور واضح ہے۔ یہ ایک ایسی ضخیم کتاب ہے جو مذہب اور فلسفہ، تیوہاروں، علم فلکیات، کیمیا، رسم و رواج، عقائد، معاشرتی زندگی، وزن و پیمائش، مجسمہ سازی، قانون اور نظام وزن و پیمائش جیسے مضامین پر 80 ابواب میں منقسم ہے۔

عام طور پر (حالانکہ ہمیشہ نہیں) المیرونی نے ہر باب میں ایک امتیازی ساخت (طرز) بنائی ہے۔ جس کا آغاز ایک سوال سے ہوتا ہے۔ پھر سنسکرت روایات پر مختصر بیان اور آخر میں دیگر ثقافتوں کا موازنہ کیا گیا ہے۔ موجودہ دور کے کچھ دانشوروں کی دلیل ہے کہ اس ہندی ساخت (Geometric Structure) جو اپنی صحت معلومات اور پیش گوئی کیے جانے کی قابلیت کے لیے قابل ذکر ہے، کا ایک خاص سبب المیرونی کا ریاضی کی طرف رجحان تھا۔

المیرونی جس نے کتاب تحریر کرنے کے لیے عربی زبان کا استعمال کیا تھا۔ ممکن ہے اپنی کتاب برصغیر کے سرحدی علاقوں میں رہنے والے لوگوں کے لیے تحریر کی ہو۔ وہ سنسکرت، پالی اور پراکرت کتابوں کے عربی زبان میں ترجموں اور تصرف سے واقف تھا۔ اس میں فرضی قصوں سے لے کر علم فلکیات اور طب سے متعلق کتابیں شامل تھیں۔ لیکن ساتھ ہی ان کتابوں کے مواد تحریر کی طرز کے ضمن میں اس کا نقطہ نظر تنقیدی تھا۔ یقینی طور سے وہ اس میں اصلاح کرنا چاہتا تھا۔

### گفتگو کیجیے...

اگر المیرونی اکیسویں صدی میں ہوتا تو یہی زبانیں جاننے پر اسے دنیا کے کن علاقوں میں آسانی سے سمجھا جاسکتا تھا؟

شکل 5.2

تیرھویں صدی کے عربی قلمی نسخے کی ایک تصویر جس میں چھٹی صدی قبل مسیح کی الیتھینز شہر کے سیاستدان اور شاعر سولون کو طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ ان کے لباس پر غور کیجیے جن میں انھیں دکھایا گیا ہے



یہ لباس یونانی ہیں یا عربی؟

## 2. ابن بطوطہ کا رحلہ

### 2.1 ایک ابتدائی عالمی سیاح

ابن بطوطہ کی عربی زبان میں تحریر سیاحت کی کتاب جسے 'رحلہ' کہا جاتا ہے۔ چودھویں صدی کے برصغیر ہند کی سماجی اور ثقافتی زندگی کے متعلق تفصیلی اور دلچسپ معلومات فراہم کرتی ہے۔ مراکش کے اس سیاح کی پیدائش تجیار کے ایک باعزت اور تعلیم یافتہ خاندان میں جو اسلامی مذہبی قانون یعنی شریعت میں خصوصی مہارت کے لیے مشہور تھا، میں ہوئی تھی۔ اپنی خاندانی روایت کے بموجب ابن بطوطہ نے کم عمر میں ہی ادبی اور مکتبی تعلیم حاصل کر لی تھی۔

اپنے طبقے کے دیگر افراد کے برخلاف ابن بطوطہ کتابوں کے مقابلے سیاحت سے حاصل تجربات کو علم اور معلومات کا زیادہ اہم ذریعہ مانتا تھا۔ اسے سفر کرنے کا بہت شوق تھا۔ وہ نئے نئے ممالک اور لوگوں کے متعلق جاننے کے لیے وردراز کے مقامات تک گیا۔ 33-1332 میں ہندوستان کے لیے روانہ ہونے سے قبل وہ مکہ کے زیارتی سفر (حج) اور شام (سیریا)، عراق، فارس (ایران)، یمن، عمان اور مشرقی افریقہ کے کئی ساحلی تجارتی بندرگاہوں کی سیاحت کر چکا تھا۔

وسط ایشیا کے زمینی راستے سے ہو کر ابن بطوطہ 1333 میں سندھ پہنچا۔ اس نے دہلی کے سلطان محمد بن تغلق کے بارے میں سنا تھا اور فن و ادب کے ایک فیاض سرپرست کی حیثیت سے اس کی شہرت کی کشش سے متاثر ہو کر ابن بطوطہ ملتان اور کچھ کے راستے سے دہلی کی طرف روانہ ہوا۔ سلطان اس کی علمیت سے متاثر ہوا اسے دہلی کا قاضی یعنی جج مقرر کیا۔ وہ اس عہدہ پر کئی سال تک رہا مگر اس نے اپنا اعتماد کھو دیا اور اسے قید خانے میں قید کر دیا گیا۔ بعد میں سلطان اور اس کے درمیان کی غلط فہمی دور ہونے کے بعد اس کو شاہی خدمت میں بحال کر دیا گیا۔ 1342 میں اسے منگول حکمران کے پاس سلطان کے سفیر کی حیثیت سے چین جانے کا حکم دیا گیا۔

اپنی نئی تفویض کے ساتھ وسطی ہندوستان کے راستے مالا بار ساحل کی طرف روانہ ہوا۔ مالا بار سے وہ مالدیپ گیا جہاں وہ اٹھارہ مہینے قاضی کے عہدہ پر فائز رہا۔ لیکن آخر کار اس نے سری لنکا جانے کا فیصلہ کیا۔ بعد میں ایک بار پھر وہ مالا بار ساحل اور مالدیپ گیا۔ چین جانے کے اپنے مشن کو دوبارہ شروع کرنے سے قبل وہ بنگال اور آسام بھی گیا۔ وہ جہاز سے سائتر ا گیا اور

### اپنا گھونسلہ چھوڑتا ہوا پرندہ

یہ رحلہ سے لیا گیا ایک اقتباس ہے:

میرے مقام پیدائش تجیار سے میری رواں گی جمہرات کو ہوئی..... میں اکیلا ہی نکل پڑا بغیر کسی ہم سفر کے..... یا کارواں کے، جس کی جماعت میں میں شامل ہو سکتا۔ لیکن اپنے اندر ایک مغلوبی جذبے اور ان مشہور مقدس مقامات کو دیکھنے کی خواہش جو طویل عرصے سے میرے اندر موجود تھی، سے متاثر ہو کر شامل ہو سکتا۔ اس لیے میں نے اپنے عزیزوں کو چھوڑ کر جانے کے عہد کو مضبوط کیا اور اپنے گھر کو ایسے چھوڑ دیا جیسے پرندے اپنے گھونسلے چھوڑ دیتے ہیں..... اس وقت میری عمر بائیس سال تھی۔

ابن بطوطہ 1354 کو اپنے گھر واپس پہنچا، اپنے سفر کا آغاز کرنے کے تقریباً تیس سال بعد۔

شکل 5.3

ڈاکو مسافروں پر حملہ کرتے ہوئے۔ سولہویں صدی کی

مغل پینٹنگ

آپ ڈاکوؤں اور مسافروں کے درمیان کیسے فرق کریں گے؟





شکل 5.4  
ایک کشتی میں سوار مسافر، بنگال کے ایک  
مندل میں نری کوٹا مجسمہ سازی، (تقریباً  
سترہویں، اٹھارہویں صدی)

سماترا سے ایک دوسرے جہاز سے چین کے بندرگاہی شہر زیاتن (Zaytun) (اب قوانز ہو، Quanzhou کے نام سے جانا جاتا ہے) گیا۔ اس نے وسیع طور پر چین میں سیاحت کی۔ وہ بیجنگ تک گیا لیکن وہاں وہ طویل عرصے تک نہیں ٹھہرا۔ 1347 میں اس نے اپنے گھر واپس جانے کا فیصلہ کیا۔ چین کے ضمن میں اس کے سفر نامہ کا موازنہ مارکو پولو، جس نے تیرہویں صدی کے آخر میں وینس سے روانہ ہو کر چین (اور ہندوستان کا بھی) کا سفر کیا تھا، کے سفر نامے سے کی جاتی ہے۔

آپ کے خیال میں کیوں کچھ مسافر ہتھیار  
لیے ہوئے ہیں؟

### اداس سیاح (The lonely traveller)

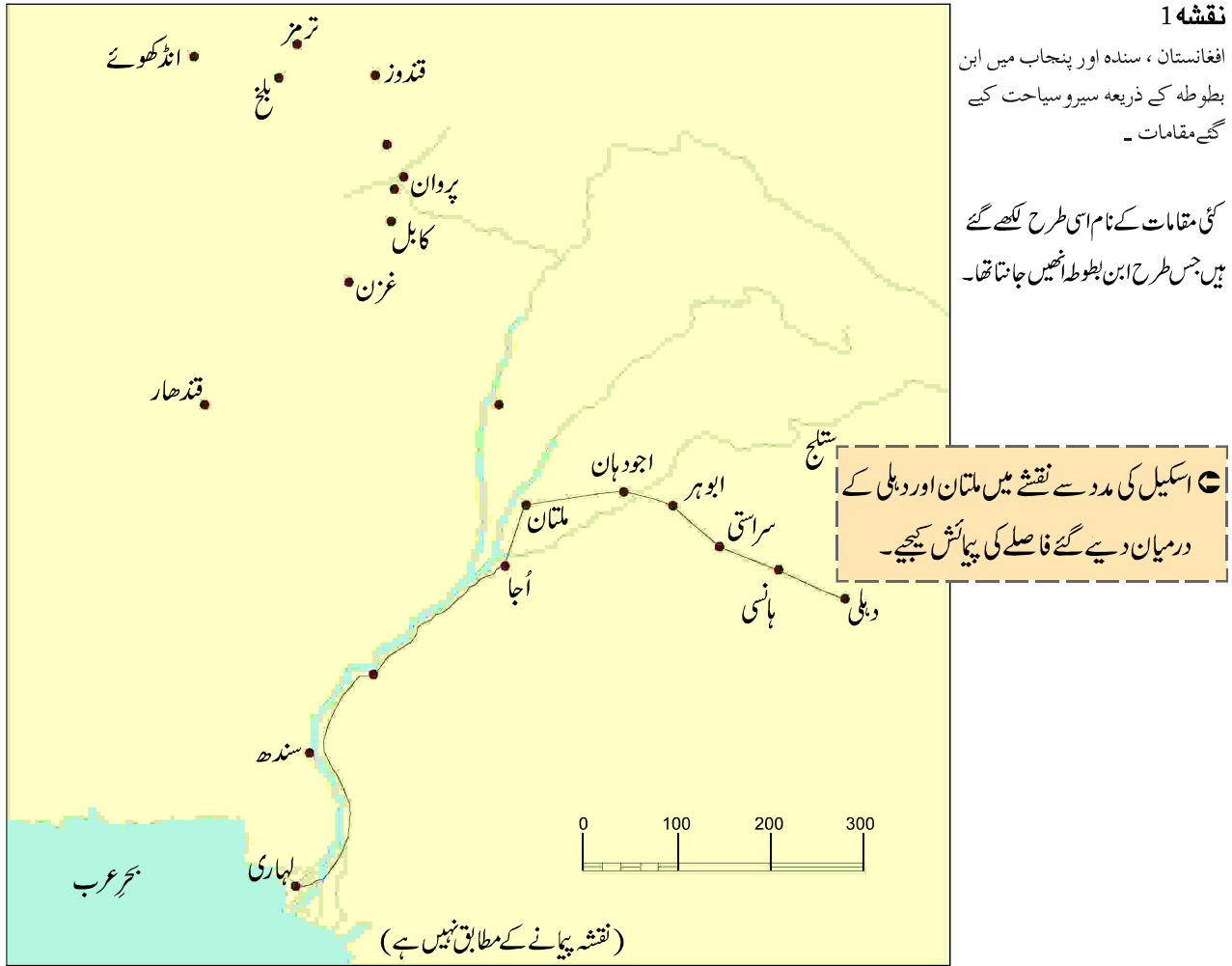
طویل سفر میں صرف لٹیرے ہی ایک خطرہ نہیں تھے، مسافر وطن کی یاد میں افسردہ ہو سکتا تھا۔ یہاں 'رحلہ' سے لیا گیا ایک اقتباس پیش ہے:

مجھ پر بخار کا حملہ ہوا تھا۔ میں نے کمزوری کے سبب گرنے سے بچنے کے لیے اپنے آپ کو پگڑی کے کپڑے سے زین کے ساتھ باندھ لیا۔ ..... آخر کار ہم تینس شہر پہنچے اور وہاں کے باشندے ..... اور قاضی کا لڑکا استقبال کرنے کے لیے شہر کے باہر آئے۔ چاروں طرف سے لوگ خیر مقدم کے لیے آگے بڑھے اور ایک دوسرے سے سوال کرنے لگے۔ لیکن ان میں سے کسی نے بھی میرا استقبال نہیں کیا۔ کیونکہ وہاں کوئی بھی ایسا نہیں تھا جس سے میرا تعارف ہو، اپنے اکیلے پن سے میں اتنا اداس ہوا کہ اپنی آنکھوں میں آئے آنسوؤں کو میں روک نہیں سکا اور بہت رویا۔ مگر ایک زائر میری غمگینی کے سبب میرے پاس آیا اور میرا خیر مقدم کیا.....

## نقشہ 1

افغانستان، سندھ اور پنجاب میں ابن بطوطہ کے ذریعہ سیروسیاحت کیے گئے مقامات۔

کئی مقامات کے نام اسی طرح لکھے گئے ہیں جس طرح ابن بطوطہ انہیں جانتا تھا۔



سفر کرنا بہت زیادہ محفوظ بھی نہیں تھا۔ ابن بطوطہ پر کئی مرتبہ ڈاکوؤں کے گروہوں نے حملے کیے تھے۔ درحقیقت وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ کارواں میں سفر کرنے کو ترجیح دیتا تھا۔ لیکن اس طرح بھی شاہراہوں کے لیٹروں کو روکا نہیں جاسکتا تھا۔ ملتان سے دہلی کے سفر کے دوران اس کے کارواں پر حملہ ہوا تھا اور اس کے کئی ساتھی مسافروں کو اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑا تھا۔ جو زندہ بچ گئے تھے۔ ان میں ابن بطوطہ بھی تھا، سب بڑی طرح زخمی ہو گئے تھے۔

## 2.2 ”تجسس کا لطف“

جیسا کہ ہم نے دیکھا ابن بطوطہ ایک تجربہ کار سیاح تھا۔ جس نے اپنے آبائی وطن مراکش واپس جانے سے قبل کئی سال شمالی افریقہ، مغربی ایشیا، وسطی ایشیا کے کچھ علاقے (ہوسکتا ہے کہ وہ روس بھی گیا ہو) برصغیر ہندوستان اور چین کے سفر کیے تھے۔ جب وہ واپس آیا تو مقامی حکمرانوں نے حکم دیا کہ اس کی کہانیوں کو قلمبند کیا جائے۔



### تعلیم اور تفریح

ابن جوزی جس کا ابن بطوطہ کی عبارت (تحریر) املا کرنے کے لیے تقرر کیا گیا تھا، اپنے ابتدائیہ میں لکھا ہے:

(حکمران کے ذریعہ) ایک شفقت آمیز ہدایت دی گئی کہ وہ (ابن بطوطہ) اپنے سفر کے دوران دیکھے گئے شہروں کا نیز اپنی یادداشت میں محفوظ دلچسپ واقعات کو املا کروائیں یعنی تحریر کروائیں اور ساتھ ہی مختلف ممالک کے حکمرانوں میں سے جن سے وہ ملے، ان کے ممتاز علما کے نیز ان کے برگزیدہ بزرگوں کے متعلق بتائیں۔ اس کے مطابق انھوں نے ان سبھی مضامین پر بیان لکھوایا۔ جس نے ذہن کو تفریح کا نوں اور آنکھوں کو خوشی دی۔ ساتھ ہی انھوں نے کئی قسم کے غیر معمولی تذکرے جن کا بیان کرنے سے روحانی افادہ ہوتا ہے، بیان کیے اور شاندار چیزوں کے بارے میں بتایا جن کا حوالے سے دلچسپی پیدا ہوتی ہے۔



شکل 5.5

اٹھارہویں صدی کی ایک پینٹنگ جس میں سیاحوں کو آگ کے ارد گرد مجتمع دکھایا گیا ہے۔

### ابن بطوطہ کے نقش قدم پر

1400 سے 1800 کے درمیان ہندوستان میں آئے سیاحوں نے فارسی میں کئی سفرنامے تحریر کیے ہیں۔ اسی زمانے میں ہندوستان سے وسط ایشیا، ایران اور عثمانی سلطنت کی سیاحت کرنے والوں نے بھی گاہے بگاہے اپنے تجربات تحریر کیے ہیں۔ ان مصنفین نے البیرونی اور ابن بطوطہ کے نقش قدم کی اتباع کی ہے۔ ان میں کچھ نے ان ابتدائی مصنفین کو پڑھا بھی تھا۔

ان مصنفین میں سے سب سے مشہور عبدالرزاق سمرقندی ہے جس نے 1440 کی دہائی میں جنوبی ہندوستان کا سفر کیا تھا۔ محمودولی بخش جس نے 1620 کی دہائی میں دور دراز تک سیاحت کی تھی۔ نیز شیخ علی حزیں جو 1740 کی دہائی میں شمالی ہندوستان آئے تھے، شامل ہیں۔ ان میں سے کچھ مصنفین ہندوستان سے مسحور تھے اور یہاں تک کہ ان میں سے ایک محمود پٹنی تو کچھ وقت کے لیے سنیا سی بھی بن گئے تھے۔ کچھ دیگر جسے حزیں ہندوستان سے مایوس ہوئے اور یہاں تک کہ نفرت بھی کرنے لگے۔ وہ ہندوستان میں اپنے لیے ایک شاندار سلوک کی امید رکھتے تھے۔ ان میں سے زیادہ تر نے ہندوستان کو عجائبات کے ملک کی صورت میں دیکھا تھا۔

### گفتگو کیجیے...

البیرونی اور ابن بطوطہ کے تحریر کردہ تذکروں کے مقاصد کا موازنہ کیجیے۔

### 3. فرانس برنیز ایک جداگانہ ڈاکٹر (معالج)

تقریباً 1500 کے قریب پرتگالیوں کے ہندوستان آنے کے بعد ان میں سے کئی لوگوں نے ہندوستانی رسم و رواجوں اور مذہبی معمولات کے متعلق مفصل رودادیں لکھیں۔ ان میں سے کچھ لوگوں کے جیسے جیسوئٹ روبرٹو نبیلی (Jesuit Roberto Nobili) نے تو ہندوستانی گرنہوں کا یورپی زبانوں میں ترجمہ بھی کیا۔

ان میں سب سے معروف مصنفین میں ایک نام دوارتے باربوسا (Duarte Barbosa) ہے۔ جس نے جنوبی ہندوستان کی تجارت اور سماج کا ایک تفصیلی بیان قلمبند کیا ہے۔ بعد میں 1600 کے بعد ہندوستان میں آنے والے ڈچ، انگریز اور فرانسیسی سیاحوں کی تعداد میں اضافہ ہونے لگا۔ ان میں سب سے مشہور نام فرانسیسی جوہری جین ہنریٹسٹ ٹورنیر (Jean Baptiste Tavernier) کا تھا۔ جس نے کم از کم چھ مرتبہ ہندوستان کا سفر کیا۔ وہ خاص طور پر ہندوستان کے تجارتی حالات سے بہت مسحور تھا۔ اس نے ہندوستان کا مقابلہ ایران اور عثمانی سلطنت سے کیا۔ ان میں سے کئی سیاح جیسے اطالوی معالج منوچی کبھی بھی یورپ واپس نہیں گئے اور ہندوستان میں ہی قیام پذیر (آباد) ہو گئے۔

فرانس کا رہنے والا فرانس برنیز ایک معالج، سیاسی فلسفی نیز ایک مؤرخ تھا۔ دیگر لوگوں کی طرح ہی وہ مغل سلطنت میں مواقع کی تلاش میں آیا تھا۔ وہ بارہ سال تک 1656 سے 1668 تک ہندوستان میں رہا اور مغل دربار سے وابستہ رہا۔ پہلے شہنشاہ شاہ جہاں کے بڑے بیٹے داراشکوہ کے معالج کے طور پر اور بعد میں مغل دربار کے ایک آرمینیائی امیر دانشمند خان کے ساتھ ایک دانشور اور سائنسدان کی شکل میں وابستہ رہا۔

#### 3.1 ”مشرق“ اور ”مغرب“ کا موازنہ

برنیز نے ملک کے کئی علاقوں کی سیاحت کی اور جو دیکھا اس کے متعلق روداد لکھی۔ وہ عموماً ہندوستان میں جو دیکھتا تھا اس کا موازنہ یورپی حالات سے کرتا تھا۔ اس نے اپنی اہم تحریر کو فرانس کے حکمران لوئس چہارم XIV کے نام معنون کیا تھا۔ اس کے دیگر کاموں میں با اثر افسران اور وزرا کو لکھے گئے خطوط ہیں۔ برنیز نے تقریباً اپنی ہر مثال میں (خط میں) ہندوستان کی حالت کو یورپ میں ہوتی ترقی کے مقابلے میں بے رنگ بتایا ہے۔ جیسا کہ ہم دیکھیں گے اس کی تشخیص ہمیشہ صحیح نہیں تھی، اس کے باوجود جب بھی اس کی تحریر شائع ہوئیں تو بے حد مقبول ہوئیں۔



شکل 5.6  
سترہویں صدی کی ایک تصویر میں برنیز کو  
یورپی پوشاک پہنے دکھایا گیا ہے۔



شکل 5.7  
ہندوستانی لباس ٹیورنیز کی تصویر



### مغل فوج کے ساتھ سفر

برنیر نے کئی مرتبہ مغل فوج کے ساتھ سفر کیا تھا۔ یہاں فوج کے کشمیر کوچ کے تعلق سے لکھے گئے تذکرے کا ایک اقتباس پیش کیا جا رہا ہے:

اس ملک کے رواج کے مطابق مجھ سے دو عمدہ ترکمانی گھوڑے رکھنے کی امید کی جاتی ہے۔ میں اپنے طاقتور فارسی اونٹ اور کوچ بان، اپنے گھوڑے کے لیے ایک سائس، ایک خانسا، نیز ایک خدمت گار جو اپنے ہاتھوں میں پانی کا برتن لے کر میرے گھوڑے کے آگے چلتا ہے، بھی رکھتا ہوں۔ مجھے استعمال کی ہر شے دی گئی۔ جیسے ایک مناسب ساز کا خیمہ، ایک دری، چار بہت مضبوط پر ہلکے بید سے بنا ایک سفری پلنگ، ایک تکیہ، ایک بستر، کھانے کے وقت مناسب گول شکل کا چڑے کا میز پوش، رنگے ہوئے کپڑے کے کچھ رومال، کھانا بنانے کے برتن سے بھرے تین چھوٹے جھولے جو سبھی ایک بڑے جھولے میں رکھے ہوئے تھے اور یہ جھولہ بھی ایک لمبے چوڑے نیز مضبوط دوہرے بورے اور چڑے کے تسمے سے بنے جال میں رکھا تھا، اسی طرح اس دوہرے بورے میں آقا اور خدمت گاروں کی غذائی اشیاء، سوتی کپڑے اور لباس رکھے گئے ہیں۔ میں نے احتیاط سے پانچ یا چھ دنوں کے صرفہ کے لیے عمدہ چاول، سونف (ایک جڑی بوٹی) کی خوشبو والے بیٹھے بسکٹ، لیونیز چینی کا ذخیرہ ساتھ رکھا۔ ساتھ ہی وہی کوٹا ننگے اور پانی نکالنے کے لیے مناسب چھوٹے لوہے کے ہک والے تھیلے لینا بھی نہیں بھولا ہوں۔ اس ملک میں لیموں کے شربت اور وہی سے زیادہ تازگی بھری کوئی شے نہیں ہے۔

برنیر کی فہرست میں سے کون سی اشیاء ایسی ہیں جو آج سفر میں آپ ساتھ لے جانا چاہیں گے؟

### ہندوستان کے متعلق خیالات کی تخلیق اور اشاعت

یورپین سیاحوں کی تحریروں اور ان کی کتابوں کی طباعت و اشاعت کی مدد سے یورپی لوگوں کے لیے ہندوستان کی ایک شبیہ بیدار کرنے میں مدد ملی۔ بعد میں 1750 کے بعد جب شیخ اعظام الدین اور مرزا ابوطالب جیسے ہندوستانیوں نے یورپ کا سفر کیا تو انھیں یورپی لوگوں کی ہندوستانی سماج کی شبیہ کا سامنا کرنا پڑا۔ انھوں نے حقائق و مواد کی اپنے طریقہ سے ترتیب کر کے متاثر کرنے کی کوشش کی۔

### گفتگو کیجیے...

ہندوستانی زبانوں میں بڑی مقدار میں سیاحتی ادب دستیاب ہے۔ آپ اپنے گھر میں بولی جانے والی زبان کے سیاح مصنفین کے متعلق معلوم کیجیے۔ کسی ایک ایسی روداد کو پڑھیے۔ اور سیاح کے ذریعہ دیکھے گئے علاقوں، اس نے جو خود دیکھے اور اس کے ذریعہ روداد لکھے جانے کے اسباب بیان کیجیے۔

برنیر کی تحریروں 71-1670 میں فرانس میں شائع ہوئیں تھیں۔ اگلے پانچ سالوں کے اندر ہی انگریز، ڈچ، جرمن اور اطالوی زبانوں میں ان کا ترجمہ ہو گیا تھا۔ 1670 اور 1725 کے درمیان اس کا سفر نامہ فرانسیسی زبانوں میں آٹھ بار از سر نو شائع ہو چکا تھا۔ 1684 تک یہ تین مرتبہ انگریزی میں شائع ہوا تھا۔ یہ عربی اور فارسی کتابوں، جن کی اشاعت مخطوطوں کی شکل میں ہوتی تھی 1800 سے پہلے عام طور پر شائع نہیں ہوتے تھے، سے پوری طرح ممتاز تھا۔

## 4. ایک اجنبی دنیا کے فہم کی تعمیر البیرونی اور سنسکرت روایت

### 4.1 فہم کے لیے رکاوٹوں سے نبرد آزما

جیسا کہ ہم نے دیکھا ہے، سیاحوں نے برصغیر ہند میں جو بھی دیکھا عموماً اس کا موازنہ انھوں نے ان معمولات سے کیا جن سے وہ واقف تھے۔ ہر سیاح نے اسے سمجھنے کے لیے ایک الگ طریقہ اپنایا۔ مثلاً البیرونی اپنے لیے ایک متعین تفویض میں پوشیدہ مشکلات سے واقف تھا۔ اس نے کئی رکاوٹوں کا ذکر کیا ہے جو اس کے مطابق فہم میں مانع تھیں۔ ان میں سب سے پہلی رکاوٹ زبان تھی۔ اس کے مطابق سنسکرت، عربی اور فارسی سے اتنی مختلف تھی کہ خیالات و نظریات کو ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ کرنا آسان نہ تھا۔ اس کے ذریعہ نشان زد دوسری رکاوٹ مذہبی عقائد و رسومات میں فرق تھا۔ اس کے مطابق تیسری رکاوٹ ذاتی استغراق تھا اور نتیجہ مقامی آبادی کی تنگ نظری تھا۔ یہاں دلچسپ بات یہ ہے کہ ان مشکلات کی معلومات ہونے پر البیرونی لگ بھگ پوری طرح سے برہمنوں کے ذریعہ لکھی گئی کتابوں پر ہی منحصر رہا۔ اس نے ہندوستانی سماج کو سمجھنے کے لیے اکثر ویدوں، پرانوں، بھگوت گیتا، پٹنجلی کی کتابوں اور منوسمرتی وغیرہ سے اقتباسات نقل کیے ہیں۔

### 4.2 البیرونی کا ذات پات کے نظام کا بیان

البیرونی نے دیگر سماجوں میں موجود متوازی ذات پات کے نظام کے ذریعہ سے ذات پات کے نظام کو سمجھنے اور تشریح کرنے کی کوشش کی۔ اس نے لکھا ہے کہ قدیم فارس (ایران) میں چار سماجی درجات تسلیم شدہ تھے۔ شہسوار اور شہزادے؛ راہب، آتش پرست، بچاری اور وکلا؛ اطباء، ہیئت داں اور دیگر سائنسدان اور آخر میں کسان اور دستکار۔ دوسرے الفاظ میں وہ یہ دکھانا چاہتا تھا کہ سماجی تقسیم صرف ہندوستان تک محدود نہیں تھی۔ اس کے ساتھ ہی اس نے اشارہ کیا کہ اسلام میں سبھی لوگوں کو برابر تسلیم کیا جاتا ہے۔ ان میں فرق صرف تقویٰ کی بنیاد پر ہوتا ہے۔

ذات پات کے نظام کے تعلق سے برہمن وادی تفصیل و تعبیر کو تسلیم کرنے کے باوجود البیرونی نے ناپاکی کے قانون کو قبول نہیں کیا۔ اس نے لکھا ہے کہ ہر وہ چیز جو ناپاک ہو جاتی ہے اپنی پاکیزگی کی بنیادی حالت کو دوبارہ حاصل کرنے کی کوشش کرتی ہے اور کامیاب ہوتی ہے۔

## غیر معمولی وسعت والی ایک زبان

سنسکرت کے متعلق البیرونی لکھتا ہے:

اگر آپ اس مشکل (یعنی سنسکرت زبان سیکھنے کی) زبان پر فتح پانا چاہتے ہیں تو آسان نہیں ہوگا۔ کیونکہ عربی کی ہی طرح، الفاظ اور گردان، دونوں میں اس زبان کی غیر معمولی وسعت ہے۔ اس میں ایک ہی چیز کئی الفاظ، بنیادی اور مشتق دونوں، بولے جاتے ہیں جنہیں مناسب طور پر سمجھنے کے لیے مختلف قابل وصف طریقے سے ایک دوسرے سے الگ کیا جانا ضروری ہے۔

## خدا ہی بہتر جانتا ہے!

سیاح بتائی گئی باتوں پر ہمیشہ یقین نہیں کرتے۔ البیرونی کو جب ایک لکڑی کی مورتی کے بارے میں پتا چلا جو کہانی کی رو سے 2,16,432 سال تک وجود میں رہی تو البیرونی پوچھتا ہے۔

لکڑی اتنے طویل عرصے تک کیسے وجود میں رہی ہوگی، خاص طور پر ایسے مقام پر جہاں ہوا اور مٹی کافی نرم ہوتی ہے؟ خدا ہی بہتر جانتا ہے!

سورج ہوا کو پاکیزہ کرتا ہے اور سمندر میں نمک پانی کو آلودگی سے بچاتا ہے۔ البیرونی پُر زور انداز میں کہتا ہے کہ اگر ایسا نہیں ہوتا تو زمین پر زندگی ناممکن ہوتی۔ اس کے مطابق ذات پات کے نظام میں پوشیدہ ناپاکی کا تصور، قدرت کے قوانین کے خلاف ہے۔

ماخذ 5

### ورنوں کا نظام

البیرونی ورن نظام کا ذکر یوں کرتا ہے:

سب سے اعلیٰ ذات برہمن کی ہے۔ جن کے متعلق ہندوؤں کی کتابیں ہمیں بتاتی ہیں کہ وہ برہما کے سر سے پیدا ہوئے تھے کیونکہ برہمن قدرت نامی طاقت کا دوسرا نام ہے۔ اور 'سر' جسم کا سب سے اعلیٰ حصہ ہے۔ اس لیے برہمن گل حیوانات کا سب سے چیدہ حصہ ہیں۔ اسی وجہ سے ہندو انھیں نوع انسانی میں سب سے افضل مانتے ہیں۔

دوسری ذات چھتریوں کی ہے۔ جن کی تخلیق، جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ برہما کے کندھوں اور ہاتھوں سے ہوئی تھی۔ ان کا درجہ برہمنوں سے زیادہ نیچے نہیں ہے۔ اس کے بعد ویش آتے ہیں۔ ان کی پیدائش برہما کی رانوں سے ہوئی تھی، شودر کی پیدائش ان کے پیروں سے ہوئی تھی۔

آخر کے دو طبقوں کے درمیان زیادہ فرق نہیں ہے۔ لیکن ان طبقوں کے درمیان فرق ہونے کے باوجود بھی یہ ایک ساتھ ہی شہروں اور گاؤں میں ایک جیسے مکانات اور گھروں میں رہتے ہیں۔

البیرونی نے جو تحریر کیا ہے اس کا موازنہ باب 3 ماخذ 6 سے کیجیے۔ کیا آپ کچھ یکسانیت اور فرق دیکھتے ہیں؟ کیا آپ سوچتے ہیں کہ البیرونی ہندوستانی سماج کے متعلق اپنی معلومات اور سمجھ کے لیے صرف سنسکرت کتابوں پر ہی منحصر ہوا تھا؟

جیسا کہ ہم نے دیکھا، ذات پات کے نظام کے متعلق البیرونی کا بیان اس کی سنسکرت کی معیاری ووقائے کتابوں کے مطالعہ سے غائر طور پر متاثر تھا۔ ان کتابوں میں برہمنوں کے نقطہ نظر سے ذات پات کے نظام کو چلانے والے اصولوں کو بیان کیا تھا۔ لیکن حقیقی زندگی میں یہ نظام اتنا بھی سخت نہیں تھا۔ مثلاً انتیاجہ (لغوی طور پر نظام سے باہر) نامی درجات سے اکثر یہ امید کی جاتی تھی کہ وہ کسانوں اور زمینداروں کے لیے سستی محنت (مزدوری) مہیا کرائیں (باب 8 بھی ملاحظہ کریں)۔ بالفاظ دیگر حالانکہ یہ اکثر سماجی استحصال کا شکار ہوتے تھے۔ پھر بھی انھیں معاشی نیٹ ورک میں شامل کیا جاتا تھا۔

### گفتگو کیجیے...

ایک مختلف علاقے سے آئے سیاح کے لیے، اس علاقے کی زبان کا علم کتنا ضروری ہے؟

## 5. ابن بطوطہ اور غیر مانوس کو جاننے کا تجسس

چودھویں صدی میں ابن بطوطہ دہلی آیا تھا۔ اس وقت تک پورا برصغیر ہند ایک ایسے عالمی نیٹ ورک رابطہ کا حصہ بن چکا تھا جو مشرق میں چین سے لے کر مغرب میں شمالی مغربی افریقہ اور یورپ تک پھیلا ہوا تھا۔ جیسا کہ ہم نے دیکھا ابن بطوطہ نے خود ان علاقوں میں بڑے پیمانے پر سفر کیے تھے، مقدس مذہبی یادگاروں کو دیکھا تھا، عالموں اور حکمرانوں کے ساتھ وقت گزارا تھا۔ اکثر قاضی کے عہدہ پر فائز رہا اور شہری مراکز کی عالمی ثقافت سے لطف اندوز ہوا تھا، جہاں عربی، فارسی، ترکی اور دیگر زبانیں بولنے والے افراد، خیالات اور تاریخی تفصیلات میں شریک ہوتے تھے۔ اس میں اپنے تقویٰ کے لیے مشہور افراد کی۔ ایسے راجاؤں کی جو ظالم اور رحم دل دونوں ہو سکتے تھے اور عام مرد و خواتین نیز ان کی زندگیوں کی کہانیاں شامل تھیں۔ جو بھی غیر مانوس تھا اس پر خاص طور سے روشنی ڈالی جاتی تھی۔ ایسا یہ یقینی کرنے کے لیے کیا جاتا تھا کہ سامع یا قاری دور دراز کی قابل پہنچ دنیا کے تذکروں سے پوری طرح متاثر ہو سکے۔

### 5.1 ناریل اور پان

ابن بطوطہ کے طرز بیان کے طریقوں کی کچھ مثالیں ان طریقوں میں ملتی ہیں جن میں وہ ناریل اور پان۔ دو ایسی بنائاتی پیداوار جن سے اس کے قارئین پوری طرح ناواقف تھے، کا ذکر کرتا ہے۔

ماخذ 7

### پان

ابن بطوطہ پان کا تذکرہ اس طرح کرتا ہے:

پان ایک ایسا درخت ہے جسے انگور کی نیل کی طرح ہی اگایا جاتا ہے۔۔۔۔۔ پان کا کوئی پھل نہیں ہوتا اور اس کو صرف اس کے پتوں کے لیے ہی اگایا جاتا ہے۔۔۔۔۔ اس کو استعمال کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اسے کھانے سے پہلے چھالیا لی جاتی ہے۔ یہ جائل جیسی ہی ہوتی ہے مگر اسے تب تک توڑا (کترا) جاتا ہے جب تک اس کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے نہیں ہو جاتے اور انھیں منہ میں رکھ کر چبا جاتا ہے۔ اس کے بعد پان کے پتوں پر تھوڑا سا کھارکھ کر اس کے ساتھ انھیں چبا جاتا ہے۔

آپ کے خیال میں اس نے (پان) ابن بطوطہ کی توجہ اپنی طرف کیوں مبذول کرائی؟ کیا آپ اس بیان میں کچھ اور جوڑنا چاہیں گے؟

ماخذ 6

### انسانی سر جیسا گری دار میوہ

ناریل کا تذکرہ ابن بطوطہ اس طرح کرتا ہے:

یہ درختوں کی قسم میں سب سے منفرد اور نشوونما کے طریقے میں متحرکن درختوں میں سے ایک ہے۔ یہ ہو بہو کھجور کے درختوں کی مانند نظر آتے ہیں۔ ان میں کوئی فرق نہیں سوائے اس کے کہ ایک سے گری دار میوہ حاصل ہوتا ہے اور دوسرے سے کھجور۔ ناریل کے درخت کا پھل انسانی سر سے مشابہت رکھتا ہے کیونکہ اس میں بھی مانو دو آنکھیں اور ایک منہ ہے اور اندر کا حصہ ہرا ہونے کے سبب دماغ جیسا نظر آتا ہے۔ اس سے جڑے ریشے بالوں جیسے دکھائی دیتے ہیں۔ وہ اس سے رسی بناتے ہیں۔ لوہے کی کیلوں کے استعمال کے بجائے اس سے جہاز کو سیٹے (جوڑتے) ہیں۔ وہ اس سے برتنوں کے لیے رسی بھی بناتے ہیں۔

ناریل کیسے نظر آتے ہیں؟ اپنے قاری کو یہ بات سمجھانے کے لیے ابن بطوطہ کس طرح کا تقابل پیش کرتا ہے؟ کیا یہ تقابل مناسب ہے؟ وہ کس طرح سے ذہن نشین کراتا ہے کہ ناریل ایک غیر معمولی پھل ہے؟ ابن بطوطہ کا یہ بیان کتنا صحیح ہے؟

## 5.2 ابن بطوطہ اور ہندوستانی شہر

ابن بطوطہ نے برصغیر ہند کے شہروں کو ان کے لیے پر جوش مواقع سے بھرپور پایا جن کے پاس ضروری جانفشانی، وسائل اور مہارت تھی۔ یہ شہر گھنی آبادی والا تیز و خوشحال۔ سوائے کبھی کبھی جنگ اور حملوں سے ہونے والے انتشار کے۔ ابن بطوطہ کے بیان سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ زیادہ تر شہروں میں بھیڑ بھاڑ والی سرکیں اور منور و رنگین بازار تھے جو مختلف طرح کی اشیاء سے بھرے پڑے رہتے ہیں۔ ابن بطوطہ دہلی کو نہایت وسیع شہر، بڑی آبادی کے ساتھ ہندوستان کا سب سے بڑا شہر بتاتا ہے۔ دولت آباد (مہاراشٹر) بھی کم بڑا نہیں تھا اور ساز میں دہلی کے مقابل تھا۔

• ابن بطوطہ نے فنِ تعمیر کی کن خصوصیات پر توجہ دی ہے؟  
شکل 5.8 اور 5.9 کی تصاویر سے اس بیان کا موازنہ کیجیے۔

ماخذ 8

### دہلی



جسے اس عہد کی کتابوں میں اکثر دہلی کے نام سے لکھا جاتا تھا، کا تذکرہ ابن بطوطہ اس اقتباس میں یوں کرنا: دہلی ایک وسیع رقبے میں پھیلا گھنی آبادی والا شہر ہے۔ شہر کے چاروں طرف مورچہ بندی یعنی حصار (شہر پناہ کی دیوار) کے مماثل ہے۔ دیوار کی چوڑائی گیارہ ہاتھ (یک ہاتھ تقریباً 18 سے 20 انچ) یا نیم گز ہے۔ اس کے اندر رات کے پہرے دار اور دربانوں کے مکانات ہیں۔ اس کے اندر اشیائے خوردنی، سامان جنگ (میگزین)، گولہ بارود، مخنقیں اور محاصرہ میں کام آنے والی مشینوں کو رکھے کے لیے گودام بنے ہوئے ہیں۔ بغیر خراب ہوئے، ان حصار میں امان طویل عرصہ تک کھا جاسکتا تھا..... حصار کے اندرونی حصے میں گھوڑ سوار اور پیادہ فوجی شہر کے ایک جانب سے دوسری جانب جایا کرتے تھے۔ کھڑکیاں شہر کے جانب کھلتی ہیں۔ ان ہی کھڑکیوں کے ذریعہ رشنی اندر آتی ہے۔ حصار کا نچلا حصہ پتھر سے تعمیر کیا گیا ہے جب کہ اوپری حصہ اینٹوں سے تعمیر کیا گیا ہے۔ اس میں ایک دوسرے کے قریب قریب کئی میناریں بنی ہیں۔ اس شہر کے اٹھائیس ابواب ہیں جنہیں دروازہ کہا جاتا ہے۔ ان میں بدایوں دروازہ سب سے بڑا ہے۔ ماٹوی دروازے کے اندر ایک امان منڈی ہے۔

گل دروازے کے پھولوں کا بغل میں باغچہ ہے..... اس (دہلی شہر) میں ایک بہترین قبرستان ہے جس میں موجود قبروں کے اوپر گنبد بنا

ہے۔ اور جن قبروں کے اوپر گنبد نہیں ہے ان پر ایک محراب ہے۔ قبرستان میں بصلہ دار پودا یا سمین اور جنگلی گلاب وغیرہ پھول اگائے جاتے ہیں اور یہاں پھول سبھی موسم میں کھلے رہتے ہیں۔

شکل 5.8 (اوپر)

تغلق آباد دہلی کا ایک دروازہ

شکل 5.9 (دائیں)

بستی کی قلعہ بند دیوار کا ایک حصہ



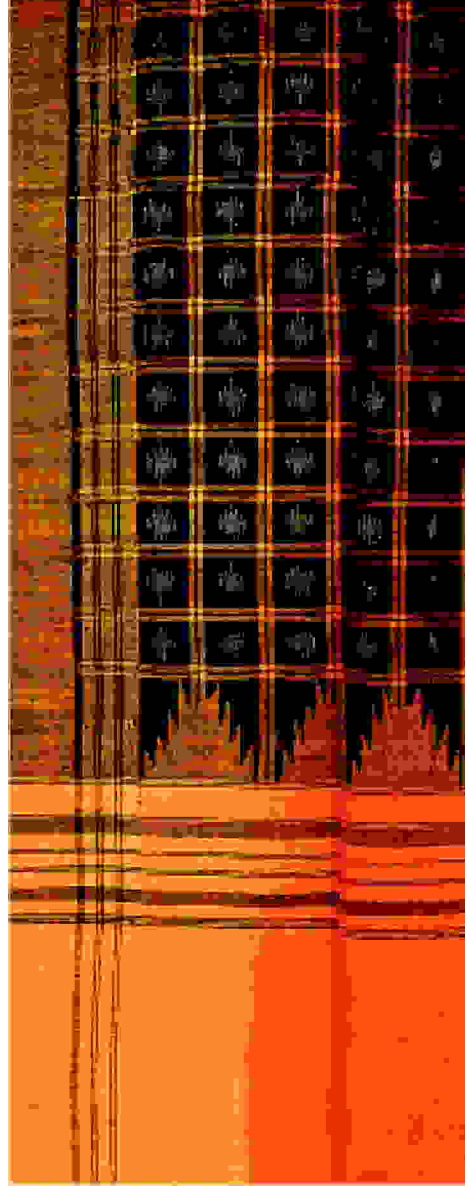
بازار صرف معاشی انصرام کے مقام ہی نہیں تھے بلکہ یہ سماجی اور معاشی سرگرمیوں کے مراکز بھی تھے۔ زیادہ تر بازاروں میں ایک مسجد اور ایک مندر ہوتا تھا۔ ان میں سے کم از کم کچھ میں تورقاصاؤں، موسیقاروں اور گلوکاروں کے عوامی مظاہرہ کے لیے مقام بھی متعین ہوتے تھے۔ حالانکہ ابن بطوطہ کو شہروں کی خوشحالی کا ذکر کرنے میں زیادہ دلچسپی نہیں تھی۔ مؤرخین نے اس کے بیان کا استعمال یہ دلیل دینے میں کیا ہے کہ شہر اپنی دولت کا ایک بڑا حصہ گاؤں کی فاضل پیداوار کے تصرف سے حاصل کرتے تھے۔ ابن بطوطہ نے پایا کہ ہندوستانی زراعت کی کثیر پیداواری کا سبب مٹی کی زرخیزی تھی جو کسانوں کے لیے سال میں دو فصلیں پیدا کرنا ممکن بناتی تھی۔ اس نے یہ بھی دھیان دیا کہ برصغیر کا رو بار اور تجارت کے بین ایشیائی نیٹ ورک سے اچھے ڈھنگ سے مربوط تھا۔ ہندوستانی مال کی وسطی اور جنوب مشرقی ایشیا، دونوں میں بہت مانگ تھی۔ جس کی وجہ سے دست کاروں اور تاجروں کو بھاری فائدہ ہوتا تھا۔ ہندوستانی کپڑے — خاص طور سے سوتی کپڑے، باریک ململ، ریشم، زری اور ساٹن کی بہت زیادہ مانگ تھیں۔ ابن بطوطہ ہمیں بتاتا ہے کہ باریک ململ کی کئی اقسام اتنی مہنگی تھیں کہ انھیں امرا اور بہت زیادہ مالدار افراد ہی زیب تن کر سکتے تھے۔

ماخذ 9

### بازار میں موسیقی

دولت آباد کے متعلق ابن بطوطہ کا بیان پڑھیے:

دولت آباد میں مرد اور خواتین گلوکاروں کا ایک بازار ہے جسے طرب آباد کہتے ہیں۔ یہ بہت خوبصورت اور وسیع بازاروں میں سے ایک ہے۔ یہاں بہت سی دوکانیں ہیں۔ ہر دوکان میں ایک ایسا دروازہ ہوتا ہے جو مالک کے گھر کی جانب بھی کھلتا ہے۔..... دوکانوں کو قالینوں سے آراستہ کیا گیا ہے اور دوکان کے وسط میں ایک گہوارہ ہوتا ہے جس پر مغنیہ بیٹھتی ہے۔ اس کی خادماں گہوارہ کو ہلاتی رہتی ہیں۔ گہوارہ قیمتی اشیاء سے آراستہ ہوتا ہے۔ بازار کے وسط میں ایک بڑا گنبد ہے۔ جس میں قالین بچھائے گئے ہیں اور اسے آراستہ کیا گیا ہے۔ اس میں ہر جمعرات کو فجر کی نماز کے بعد موسیقاروں کا چودھری اپنے خادموں اور غلاموں کے ساتھ آکر بیٹھتا ہے۔ ہر ایک مغنیہ باری باری آکر اس کے سامنے سورج غروب ہونے تک گاتی اور رقص کرتی ہے۔ اس کے بعد وہ چلا جاتا ہے۔ اس بازار میں عبادت کے لیے مساجد بھی ہیں۔..... ہندو حکمرانوں میں سے ایک..... جب بھی بازار سے گذرتا تھا تو اس گنبد میں ٹھہرتا تھا اور مغنیہ اس کے سامنے گانا پیش کرتی تھیں۔ یہاں تک کہ کچھ مسلمان حکمرانوں نے بھی ایسا ہی کیا۔



شکل 5.1

اس طرح کی ”اکات“ بُنائی کے نمونے برصغیر ہندوستان اور جنوب مشرقی ایشیا کے کئی ساحلی پیداواری مراکز میں اپنائے گئے اور ان میں ترمیم کی گئی۔

آپ کے خیال میں ابن بطوطہ نے ان سرگرمیوں کا ذکر کیوں کیا؟



## ایک حیرت انگیز ملک؟

1440 کی دہائی میں عبدالرزاق کا لکھا سفرنامہ احساس وادراک کا ایک دلچسپ آمیزہ ہے۔ ایک طرف کیرل میں کالی کٹ (موجودہ کوزی کوڈ) بندرگاہ پر اس نے جو دیکھا اس کو قابل قدر تسلیم نہیں کیا۔ ”یہاں ایسے لوگ آباد ہیں جن کا تہذیب میں نے کبھی نہیں سمجھا تھا۔“

بعد میں اپنے ہندوستان کے سفر کے دوران وہ منگھواریا اور مغربی گھاٹ کو پار کیا۔ یہاں اس نے ایک مندر دیکھا جس کو اس نے توصیفی انداز میں بیان کیا ہے۔

منگھور سے نومیل کے اندر ہی میں نے ایک مندر دیکھا۔ ایسا میں نے پوری دنیا میں کہیں نہیں دیکھا تھا۔ یہ مرلے تھا جس کا ایک ضلع تقریباً 10 گز، اونچائی پانچ گز اور چار غلام گردشوں کے ساتھ پوری طرح سے ڈھلے ہوئے کانہ سے ڈھکا ہوا تھا۔ داخلی دروازے کی غلام گردش میں سونے کی ایک موتی تھی جو انسان کے ممال تھی اور ساز میں قد آدم تھی۔ اس کی دونوں آنکھوں میں لال رنگ کے یا قوت اتنی مہارت سے لگائے گئے تھے کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مانو وہ آنکھیں دیکھ سکتی ہوں۔ اس دستکاری اور کاریگری کے کہا کہنے!

تاجروں کی حوصلہ افزائی کرنے کے لیے ریاست خاص اقدامات کرتی تھی۔ تقریباً سبھی تجارتی راستوں پر سرائے اور مسافر خانے بنائے گئے تھے۔ ابن بطوطہ ڈاک کے نظام کی کارگزاری دیکھ کر متحیر رہ گیا۔ اس نظام کے ذریعہ تاجروں کے لیے نہ صرف لمبی دوری تک اطلاعات بھیجنا اور قرض ارسال کرنا ممکن ہوا بلکہ قلیل اطلاع پر مال بھیجنا بھی ممکن ہوتا تھا۔ ڈاک کا نظام اتنا اثر آفریں تھا کہ جہاں سندھ سے دہلی تک کے سفر میں پچاس دن لگتے تھے۔ وہیں جاسوسوں کی رپورٹیں سلطان تک اس ڈاک کے نظام کے ذریعہ صرف پانچ دن میں ہی پہنچ جاتی تھیں۔

ماخذ 10

## گھوڑے پر اور پیدل

ڈاک کے نظام کا تذکرہ ابن بطوطہ کچھ اس طرح کرتا ہے:

ہندوستان میں دوطرح کی ڈاک کا نظام ہے۔ اسپ ڈاک نظام جسے اُلُق (Uluq) کہا جاتا ہے۔ جو ہر چار میل کے فاصلے پر واقع مستقر سے شاہی گھوڑوں کے ذریعہ چلتا ہے۔ پیدل ڈاک نظام کے مستقر پر تین منزل پر واقع ہوتے ہیں۔ اسے دعوئی (Dawa) کہتے ہیں۔ یہ ایک میل کا ایک تہائی ہوتا ہے۔۔۔ چونکہ ہر تین میل پر ایک گھنی آبادی والا گاؤں ہوتا ہے۔ جس کے باہر تین شہ نشیں (پوئیلین) ہوتے ہیں جن میں لوگ کام کرنے کے لیے تیار بیٹھے ہوتے ہیں۔ ان میں ہر ایک کے پاس دو ہاتھ لمبی ایک چھڑ ہوتی ہے جس کے اوپر تانبے کی گھنٹیاں لگی ہوتی ہیں۔ جب ہر کارہ شہر سے سفر شروع کرتا ہے تو ایک ہاتھ میں خط اور دوسرے میں گھنٹیاں لگی چھڑ لیے وہ اپنی طاقت کے مطابق تیز دوڑتا ہے۔ جب شہ نشیں میں بیٹھے لوگ گھنٹیوں کی آواز سنتے ہیں تو وہ تیار ہو جاتے ہیں۔ جیسے ہی ہر کارہ ان کے قریب پہنچتا ہے۔ ان میں سے ایک اس سے خط لے لیتا ہے اور وہ چھڑ ہلاتے ہوئے تب تک پوری قوت سے دوڑتا ہے جب تک وہ اگلے دعوئی تک نہیں پہنچ جاتا۔ خط کے اپنے منزل مقصود تک پہنچنے تک یہ عمل چلتا رہتا ہے۔ یہ پیدل ڈاک نظام، سب ڈاک نظام سے زیادہ تیز ہے اور اس کا استعمال اکثر خراسان کے پھلوں کی بار برداری کے لیے ہوتا تھا۔ جنھیں ہندوستان میں بہت پسند کیا جاتا تھا۔

کیا آپ کو لگتا ہے کہ پیدل ڈاک کے نظام پر پورے برصغیر ہندوستان میں عمل درآمد کیا جاسکتا تھا؟

● کیا آپ کو لگتا ہے کہ پیدل ڈاک کے نظام پر پورے برصغیر ہندوستان میں عمل درآمد کیا جاسکتا تھا؟

← گفتگو کیجیے ...

این بطور ایسی اشیا اور حالات کے مسئلہ حل کرتا تھا جن کو لوگوں نے نہیں دیکھا تھا اور جن کا تجربہ بھی نہیں کیا تھا؟

## 6. برنیئر اور ”خستہ حال“ مشرق

ابن بطوطہ نے جہاں پر اس چیز کا تذکرہ کرنا پسند کیا جس نے اس کو اپنے انوکھے پن کے سبب متاثر کیا اور براہِ بیخنتہ کیا تھا وہیں برنیئر ایک دانشور اور روایت سے تعلق رکھتا تھا۔ اس نے ہندوستان میں جو بھی دیکھا وہ اس کو عام طور سے یورپ اور خاص طور سے فرانس کے حالات سے موازنہ اور فرق کو اجاگر کرنے کے تئیں زیادہ متفکر تھا۔ خاص طور سے وہ حالات جنہوں نے اس کو افسردہ کیا تھا۔ اس کا ارادہ پالیسی سازوں اور دانشور طبقے کو متاثر کرنے کا تھا تا کہ وہ ایسے فیصلے لے سکیں جنہیں وہ ”صحیح“ مانتا تھا۔

برنیئر کا سفر نامہ ”ٹریلوں ان دی مغل ایمپائر“ (Travels in the Mughal Empire) اپنے تفصیلی مشاہدات، تنقیدی بصیرت اور تخیل کے لحاظ سے قابل ذکر ہے۔ اس کے سفر نامے میں کی گئی بحث میں مغلوں کی تاریخ کو عالمگیر ڈھانچے میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ وہ ہمیشہ عہدِ مغل کے ہندوستان کا موازنہ یورپ سے کرتا ہے اور عموماً ہندوستان پر یورپ کی فوقیت پر زور دیتا ہے۔ اس کا ہندوستان کا تذکرہ دوہری مخالفت کے نمونے پر مبنی ہے جہاں ہندوستان کو یورپ کے برعکس کم تر دکھایا گیا ہے۔ اس نے جو اختلافات محسوس کیے انہیں بھی درجہ بندی کے مطابق ترتیب دیا ہے۔ جس کی وجہ سے ہندوستان مغربی دنیا کو حقیر نظر آتا ہے۔

### 6.1 زمین پر ملکیت کا سوال

برنیئر کے مطابق ہندوستان اور یورپ کے درمیان بنیادی فرق میں سے ایک ہندوستان میں نجی زمین کی ملکیت کا فقدان تھا۔ اس کا نجی ملکیت کے وصف میں پختہ یقین تھا اور اس نے زمین پر شاہی ملکیت کو ریاست اور اس کے باشندوں — دونوں کے لیے نقصان دہ مانا ہے۔ اسے ایسا لگا کہ مغل سلطنت میں بادشاہ ساری زمینوں کا مالک تھا جو اسے اپنوں کے درمیان تقسیم کرتا تھا۔ اس سے معیشت اور سماج کے لیے مصیبت خیز نتائج پیدا ہوئے تھے۔ اس طرح کا ادراک برنیئر تک ہی محدود نہ تھا بلکہ یہ سولہویں اور سترہویں صدی کے زیادہ تر سیاحوں کے سفر ناموں میں دیکھنے کو ملتا ہے۔

زمین کے شاہی ملکیت کے سبب برنیئر دلیل دیتا ہے کہ زمین مالک اپنے بچوں کو زمین نہیں دے سکتے تھے۔ اس لیے وہ پیداوار کی سطح کو بنائے رکھنے کے لیے اور اس میں اضافہ کرنے کے لیے طویل مدتی سرمایہ کاری کے تئیں مایوس تھے۔ اس طرح نجی ملکیت کے فقدان نے ”بہتر“ زمین مالکوں کے طبقہ کے ابھرنے (جیسا کہ مغربی یورپ میں) کو روکا جو زمین کی دیکھ بھال اور

### دور تک پھیلی غریبی

پلسارٹ نامی ایک ڈچ سیاح نے سترہویں صدی کی ابتدائی دہائیوں میں برصغیر ہند کی سیاحت کی تھی۔ برنیئر کی ہی طرح وہ بھی لوگوں میں دور تک پھیلی غریبی دیکھ کر حیرت زدہ تھا۔ لوگ ”اتنی زیادہ خستہ حال غریبی“ میں رہتے ہیں کہ ”ان کی زندگی کو صرف مستقل فقدان کے گھر اور شدید رنج و مصیبت کے مقام کی شکل میں تصویر کشی یا صحیح طور پر بیان کیا جاسکتا ہے۔“ ریاست کو ذمہ دار ٹھہراتے ہوئے وہ کہتا ہے۔ ”کسانوں کو اتنا زیادہ چوڑا جاتا ہے کہ پیٹ بھرنے کے لیے ان کے پاس سوکھی روٹی بھی بمشکل بچتی ہے۔“

بہتری کے تئیں فکر مند رہتے۔ اس کے سبب زراعت کی یکساں طور پر تباہی، کسانوں کا زبردست استحصال اور سماج کے سبھی طبقات کے معیار زندگی میں مسلسل زوال ہوا، سوائے حکمران طبقے کے۔

ماخذ 11

### غریب کسان

برنیئر کے، گاؤں کے کسانوں کے تذکرے میں سے ایک اقتباس پیش ہے:

سلطنت ہند کے نہایت وسیع خطوں میں سے کئی صرف ریتیلے یا بنجر پہاڑ ہیں۔ یہاں کی زراعت اچھی نہیں ہے اور آبادی بھی کم ہے۔ یہاں تک کہ قابل زراعت زمین کا ایک بڑا حصہ مزدوروں کی کمی کے سبب بھتی کرنے سے رہ جاتا ہے۔ ان میں سے کئی مزدور گوزروں کے ذریعہ کیے گئے برے سلوک کے نتیجے میں مر جاتے ہیں۔ غریب لوگ جب اپنے لالچی آقا کی مانگوں کو پورا کرنے کے قابل نہیں ہوتے تو ان کو نہ صرف بقائے زندگی کے وسائل سے محروم کر دیا جاتا ہے بلکہ انھیں اپنے بچوں کو بھی کھونا پڑتا ہے۔ چنانچہ اس انتہائی جاہلانہ سلوک کی وجہ سے مایوس ہو کر کسان گاؤں چھوڑ کر چلے جاتے ہیں۔

اس مثال میں برنیئر ریاست اور سماج سے متعلق یورپ میں جاری ہم عصر بحث و مباحثہ میں حصہ لے رہا تھا اور اس کی کوشش تھی کہ مغل ہندوستان سے متعلق اس کا بیان یورپ میں ان لوگوں کے لیے متنبہ کرنے کا کام کرے گا جو نجی ملکیت کی ”اچھائیوں“ کو تسلیم نہیں کر رہے تھے۔

شکل 5.11

انیسویں صدی کی ایسی تصاویر کی مثالوں نے اکثر غیر معتدل دیہی سماج کے نظر یہ کو تقویت دی ہے۔



● برنیئر کے مطابق برصغیر ہندوستان میں کسانوں کو کن مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا تھا؟ کیا آپ کے خیال میں اس کا بیان اس کیس کو مضبوط کرتا ہے؟

اس کی تفصیل کی شکل میں برنیئر ہندوستانی سماج کو غریب عوام کے بے تفریق عوام الناس سے بناسماج کے طور پر بیان کرتا ہے، جو ایک بڑے اور طاقتور حکمران جماعت جو اقلیت میں ہوتی ہے، کے ذریعہ محکوم بنائی جاتی ہے۔ غریبوں میں سب سے غریب اور امیروں میں سب سے امیر فرد کے درمیان نام نہاد کوئی بھی سماج گروپ یا طبقہ نہیں تھا۔ برنیئر بڑے یقین سے کہتا ہے کہ ”ہندوستان میں درمیانی حالت کے افراد نہیں ہیں۔“

ماخذ 12

## یورپ کے لیے ایک تنبیہ

برنیئر متنبہ کرتا ہے کہ اگر یورپی حکمرانوں نے مغل نمونے کو اختیار کیا تو:

ان کی ریاستیں اس انداز سے اچھی طرح کاشت کی ہوئی اور آباد، اچھی طرح سے تعمیر، اتنی غنی، اتنی شائستہ اور پھلتی پھولتی نہیں رہ جائیں گی جیسا کہ ہم انہیں دیکھتے ہیں۔ دوسرے انداز میں ہمارے حکمران دولت مند اور طاقتور ہیں۔ ہم کو یہ قبول کرنا ہوگا کہ ان کی اور بہتر اور شاہی طریقے سے خدمت ہو۔

وہ جلد ہی ریگستان اور ویران مقامات کے بھکاریوں اور وحشی لوگوں کے بادشاہ بن کر رہ جائیں گے۔ جیسا کہ وہ جن کے ضمن میں، میں نے تذکرہ کیا ہے۔ (مغل حکمران)۔۔۔ ہم ان عظیم شہروں اور قصبوں کو خراب ہوا کے سبب ناقابل سکونت بنا دیں اور آبادی کی حالت میں پائیں گے جن کی درستی کی کسی کو کوئی فکر نہیں ہے۔ چھوٹے چھوٹے ٹیلے اور جھاڑیاں یا وبائی دلدل سے بھرے ہوئے کھیت جیسا کہ پہلے ہی بتایا جا چکا ہے۔

برنیئر تباہی و بربادی کے منظر کی تصویر کشی کس طرح کرتا ہے؟ جب آپ باب 8 اور باب 9 کا مطالعہ کریں گے تب آپ اس بیان کو پھر سے پڑھیے اور پھر اس کا تجزیہ کیجیے۔

پھر برنیئر نے کیسے مغل سلطنت کو اس طرح دیکھا۔ اس کا بادشاہ ”بھکاریوں اور ظالم لوگوں“ کا بادشاہ تھا۔ اس کے شہر اور قصبے تباہ و برباد اور ”خراب ہوا“ سے آلودہ تھے۔ اس کے کھیت ”جھاڑیوں“ اور ”وبائی دلدل“ سے بھرے ہوئے تھے۔ اس کا صرف ایک ہی سبب تھا۔ زمین کی شاہی ملکیت۔

حیرت کی بات یہ ہے کہ ایک بھی مغل سرکاری دستاویز یہ نہیں ظاہر کرتی کہ ریاست ہی زمین کی صرف اکیلی مالک تھی۔ مثال کے طور پر سولہویں صدی میں اکبر کے عہد کا سرکاری مؤرخ ابوالفضل زمین مال گزاری کو ”حکومت کا معاوضہ“ کے طور پر ذکر کرتا ہے، جو بادشاہ کے ذریعہ اپنی رعایا کی حفاظت مہیا کرنے کے عوض کیا گیا مطالبہ ہے، نہ کے اپنے قصبے والی زمین پر لگان۔ ایسا ممکن ہے کہ یورپی سیاح ایسے مطالبوں کو لگان مانتے تھے کیونکہ زمین کی مال گزاری کا مطالبہ اکثر بہت زیادہ ہوتا تھا۔ تاہم یہ نہ تو لگان تھا اور نہ ہی زمین ٹیکس، بلکہ پیداوار پر یعنی فصل پر لگنے والا ٹیکس تھا (مزید تفصیل کے لیے باب 8 دیکھیے)

برنیئر کے بیانات نے اٹھارہویں صدی سے ہی نظریہ سازوں کو متاثر کیا ہے۔ مثال کے طور پر فرانسیسی فلسفی مونتسکیو نے اس کے سفر نامے کا استعمال مشرقی مطلق العنانی کے نظریہ کو ارتقا پذیر کرنے کے لیے کیا۔ جس کے مطابق ایشیا (اور بینٹ یعنی مشرق) میں حکمران اپنی رعایا کے اوپر مطلق اقتدار سے لطف اندوز ہوتے تھے۔ جنہیں تابعداری اور غریبی کی حالت میں رکھا جاتا تھا۔ اس دلیل کی بنیاد یہ تھی کہ ساری زمین کا تعلق بادشاہ سے ہوتا تھا یعنی اس کے قبضے میں ہوتی تھی۔ نجی ملکیت کا وجود نہیں تھا۔ اس نظریہ کے مطابق بادشاہ اور اس کے امرا طبقہ کو چھوڑ کر ہر ایک شخص مشکل سے گزر بسر کرتا تھا۔

انیسویں صدی میں کارل مارکس کے اس تصور اور نظریہ کو ایشیائی طریقہ پیداوار (Asiatic mode of production) کے نظریہ کے طور پر مزید ترقی دی۔ اس نے یہ دلیل دی کہ ہندوستان (نیز دیگر ایشیائی ممالک) میں نوآبادیت سے قبل فاضل پیداوار پر تصرف ریاست کے ذریعہ ہوتا تھا۔ اس سے ایک ایسے سماج کا ظہور ہوا جو بڑی تعداد میں خود اختیار اور (اندرونی طور پر) مساوات پر مبنی طبقات سے بنا تھا۔ ان دیہی طبقات پر شاہی دربار کی نگرانی ہوتی تھی۔ تب تک فاضل پیداوار کا بہاؤ بغیر رکاوٹ جاری رہتا تھا۔ اس کی خود مختاری کا احترام کیا جاتا تھا۔ اور اس کو جمودی نظام مانا جاتا تھا۔

تاہم، جیسا کہ ہم دیکھیں گے (باب 8) دیہی سماج کی یہ تصویر کشی سچائی سے بہت دور تھی۔ حقیقتاً سولہویں سترہویں صدی میں دیہی سماج میں خاصیت کے اعتبار سے بڑے پیمانے پر سماج اور



شکل 5.12  
چمچہ جس میں زمرد اور روپی پتھر جڑے ہوئے  
ہیں۔ مغل دست کاری اور مہارت کی ایک مثال

معاشی فرق موجود تھا۔ ایک طرف بڑے زمین دار تھے جو زمین پر اعلیٰ حقوق سے لطف اندوز ہوتے تھے۔ دوسری طرف ”اچھوت“ بے زمین مزدور تھے۔ ان دونوں کے درمیان میں بڑا کسان تھا جو کرائے کے مزدوروں (اجرت مزدور) کا استعمال کرتا تھا اور اشیا کی پیداوار میں مشغول رہتا تھا۔ ساتھ ہی چھوٹے کسان بھی تھے جو مشکل سے بقائے زندگی کے لائق پیداوار کر پاتے تھے۔

## 6.2 ایک زیادہ پیچیدہ سماجی حقیقت

اگرچہ مغل حکومت کو ایک استبدادی شکل دینے کا تعصب واضح ہے پر اس کے بیانات گاہے بگا ہے ایک زیادہ پیچیدہ سماجی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر وہ محسوس کرتا ہے کہ دست کاروں کے پاس مصنوعات کو بہتر بنانے کے لیے کوئی محرک نہیں تھا۔ کیونکہ منافع پر ریاست کے ذریعہ تصرف کر لیا جاتا تھا۔ اس لیے پیداوار ہر جگہ زوال پذیر تھی۔ ساتھ ہی وہ یہ بھی قبول کرتا ہے کہ پوری دنیا سے بڑی مقدار میں قیمتی دھاتیں ہندوستان میں آتی تھیں، کیونکہ مصنوعات کی سونے اور چاندی کے عوض برآمد ہوتی تھی۔ وہ ایک خوشحال تجارتی طبقہ جو طویل مسافت کی مبادلہ تجارت میں مشغول تھا، کے وجود کی بھی اطلاع دیتا ہے۔

ماخذ 13

## ایک مختلف سماجی معاشی منظر نامہ

برنیئر کے سفر نامہ سے لیا گیا یہ اقتباس پڑھیے جس میں زراعت اور دست کاری پیداوار، دونوں کا تذکرہ کیا گیا ہے:

یاد رکھنا ضروری ہے کہ اس ملک کے وسیع زمینی خطے کا زیادہ تر حصہ نہایت زرخیز ہے۔ مثال کے طور پر بنگال کی وسیع ریاست جو مصر سے نہ صرف چاول، مکا اور بقالے زندگی کی دیگر ضروری اشیا کی پیداوار، بلکہ ان بے شمار تجارتی اشیا کے تعلق میں جو مصر میں بھی کاشت نہیں کی جاتیں جیسے ریشم، کپاس اور نیل سے کہیں آگے ہے۔ ہندوستان کے کئی علاقے ایسے بھی ہیں جہاں آبادی کثیر ہے اور زمین پر زراعت اچھی ہوتی ہے۔ جہاں ایک دست کار، جو اگرچہ بنیادی طور پر کامل ہوتا ہے۔ ضرورت سے یا کسی دیگر سبب سے اپنے آپ کو قالین، زری، کشیدہ کاری، سونے اور چاندی کے لباس اور مختلف قسم کے ریشم اور سوئی کپڑے جو ملک میں بھی استعمال ہوتے ہیں اور ملک سے باہر برآمد بھی کیے جاتے ہیں، کو تیار کرنے کے کام کے لیے مجبور ہو جاتا ہے۔

اس بات سے نظر بچانا مشکل ہوگا کہ پوری دنیا کے سبھی حصوں میں گردش کرنے کے بعد سونا اور چاندی ہندوستان میں آکر کچھ حد تک کھو جاتے ہیں۔

اس اقتباس میں کیا گیا تذکرہ ماخذ 11 میں د گئے اقتباس سے کن معنوں میں مختلف ہے؟

ماخذ 14

## شاہی کارخانے

شاید برنیئر اکیلا ایسا مؤرخ ہے جو شاہی کارخانوں کے طریقہ عمل کا تفصیلی تذکرہ مہیا کرتا ہے:

کئی مقامات پر بڑے ہال دکھائی دیتے ہیں جنہیں کارخانہ یا دست کاروں کے کام کرنے کی جگہ کہتے ہیں۔ ایک ہال میں کشیدہ کار ایک استاد فن کی نگرانی میں مصروف کار رہتے ہیں۔ ایک دیگر ہال میں آپ سناروں کو مصروف عمل پائیں گے، تیسرے میں مصوّر، چوتھے میں روغن گر، ملع کاری کا کام کرتے ہوئے۔ پانچویں میں بڑھئی، خراہ کرنے والے درزی اور جوتے بنانے والے، چھٹے میں ریشم، زری نیز باریک ململ بنانے والے.....

دستکار اپنے کارخانوں میں ہر روز صبح آتے ہیں جہاں وہ پورے دن مصروف رہتے ہیں اور شام کو اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے جاتے ہیں۔ یہ ان کا طرز معمول ہے۔ کوئی بھی زندگی کے ان حالات میں سدھار کرنے کا خواہش مند نہیں ہے جن میں وہ پیدا ہوا تھا۔

• برنیئر اس خیال کو کس طرح ذہن نشین کراتا ہے کہ اگرچہ ہر طرف کافی سرگرمی تھی پر ترقی بہت کم تھی؟

واقعاً، سترھویں صدی میں آبادی کا تقریباً 15 فی صد حصہ شہروں میں سکونت پذیر تھا۔ یہ اوسطاً اسی عہد کے مغربی یورپ کی شہری آبادی کے تناسب سے کہیں زیادہ تھا۔ باوجود یہ کہ برنیئر عہد کے شہروں کو ”خیمہ شہر“ کے طور پر ذکر کرتا ہے، جس سے اس کی مراد ان شہروں سے تھی جو اپنے وجود کو قائم رکھنے کے لیے شاہی خیمے پر منحصر تھے۔ ان کا ماننا تھا کہ یہ شاہی دربار کی حرکت پذیری کے ساتھ وجود میں آتے تھے اور اس کے کہیں اور چلے جانے کے بعد تیزی سے زوال پذیر ہو جاتے تھے۔ اس نے یہ بھی مشورہ دیا کہ ان کی سماجی اور معاشی بنیاد قابل حیات نہیں تھی، یہ شاہی سرپرستی پر منحصر رہتے تھے۔

زمین کی ملکیت کے سوال کی طرح ہی برنیئر ایک از حد سادہ تصویر پیش کر رہا تھا۔ واقعاً سبھی قسم کے شہر موجود تھے: پیداواری مراکز (شہر)، تجارتی شہر، مذہبی مراکز، زیارتی مقامات وغیرہ۔ ان کی بقا، خوشحالی، تجارتی طبقات اور پیشہ ور طبقوں کی بقا کا مظہر تھی۔

تاجر اکثر مضبوط جماعتی و طبقاتی رشتہ داری کے تعلق سے منظم تھے اور اپنی ذات اور پیشہ ورانہ (کاروباری) انجمنوں کے ذریعہ منظم رہتے تھے۔ احمد آباد جیسے شہری مرکز میں سبھی مہاجنوں کی اجتماعی نمائندگی تجارتی طبقے کے کھیا کے ذریعہ ہوتی تھی جسے ”نگر سیٹھ“ کہا جاتا تھا۔

دیگر شہری گروپوں میں کاروباری جماعتوں جیسے معالج (حکیم یا وید)، اساتذہ (ملا و پنڈت)؛ وکیل، مصوّر، معمار، موسیقار، کاتب وغیرہ شامل تھے۔ اگرچہ کچھ شاہی سرپرستی پر منحصر تھے۔ بہت سے دیگر سرپرستوں یا بھیڑ بھاڑ والے بازاروں میں عام لوگوں کی خدمت کے ذریعہ زندگی گزارتے تھے۔

## • گفتگو کیجیے ...

آپ کے خیال میں برنیئر جیسے دانشوروں نے ہندوستان کا موازنہ یورپ سے کیوں کیا؟



ماخذ 15

## غلام عورتیں

ابن بطوطہ ہمیں بتاتا ہے:  
یہاں بادشاہ کی عادت ہے..... ہر بڑے یا چھوٹے  
امیر کے ساتھ اپنے غلاموں میں سے ایک کو رکھے  
کی جو اس کے امیروں کی بخیری کرتا ہے۔ وہ خاتون  
خاکروب کو بھی مقرر کرتا ہے جو بنا اطلاع دیئے گھر  
میں داخل ہو جاتی ہیں اور غلام عورتوں کے پاس جو بھی  
اطلاعات ہوتی ہیں وہ اس کو دے دیتی ہیں۔  
زیادہ تر غلام عورتوں کو حملوں اور مہمات کے دوران  
گرفتار کیا جاتا تھا۔

ماخذ 16

## بچی کی ستی

یہ شاید برنیز کے تذکروں میں سب سے زیادہ  
تکلیف دہ تذکرہ ہے۔

لاہور میں میں نے ایک بہت ہی خوبصورت  
نوجوان بیوہ جس کی عمر میرے خیال میں بارہ  
سال سے زیادہ نہ تھی، کی قربانی ہوتے ہوئے  
دیکھی۔ اس بھینک جنم کی طرف جاتے ہوئے  
وہ بے سہارا چھوٹی بچی زندہ سے زیادہ مردہ لگ  
رہی تھی۔ اس کی ڈننی الجھن کا ذکر نہیں کیا  
جاسکتا۔ وہ کانپتے ہوئے بری طرح روتی تھی۔  
لیکن تین یا چار برہمن، ایک بزرگ عورت، جس  
نے اس کو اپنے بازوؤں کے نیچے دبایا ہوا تھا، کی  
مدد سے اس عدم خواہش شکار کو زبردستی قاتل مقام  
کی طرف لے گئے۔ اسے لکڑیوں پر بیٹھا یا گیا۔  
اس کے ہاتھ اور پیروں باندھ دیئے گئے تاکہ وہ  
بھاگ نہ جائے اور اس حالت میں اس معصوم  
مخلوق کو زندہ جلا دیا گیا۔ میں اپنے جذبات کو  
دبانے میں اور اس سے بھڑک اٹھنے والے تیز  
لا حاصل غصہ کو باہر آنے سے روکنے پر معذور تھا...

7. عورتیں  
غلام، ستی اور مزدور

جن سیاحوں نے اپنے سفر نامے تحریر کیے ہیں وہ عام طور پر مرد تھے جنہیں برصغیر ہند میں عورتوں کی  
حالت دلچسپ اور کبھی کبھی پر تجسس لگتی تھی۔ کبھی کبھی وہ سماجی بے انصافی کو ”فطری“ معاملات مان  
لیا کرتے تھے۔ مثال کے طور پر بازاروں میں کسی بھی دیگر شے کی طرح غلام کھلے عام فروخت  
ہوتے تھے اور مستقل طور پر تحفہ میں دے جاتے تھے۔ اب ابن بطوطہ سندھ پہنچا تو اس نے سلطان  
محمد بن تغلق کو تحفہ میں دینے کے طور پر گھوڑے، اونٹ اور غلام خریدے تھے۔ جب وہ ملتان پہنچا تو  
اس نے گورنر کو کشمش اور بادام کے ساتھ ایک غلام اور گھوڑا تحفہ میں پیش کیا۔ ابن بطوطہ بتاتا ہے  
کہ محمد بن تغلق، نصیر الدین نامی مبلغ کے خطبات سے اتنا خوش ہوا کہ ایک لاکھ ٹکے (سکہ) اور دو  
سو غلام اس کو عطا کیے۔

ابن بطوطہ کے تذکرے سے ظاہر ہوتا ہے کہ غلاموں میں کافی فرق تھا۔ سلطان کی خدمت  
میں مشغول کچھ غلام عورتیں، موسیقی اور رقص میں ماہر تھیں اور ابن بطوطہ سلطان کی بہن کی شادی  
کے موقع پر ان کے مظاہرہ سے بہت لطف اندوز ہوا تھا۔ سلطان اپنے امر پر نظر رکھنے کے لیے  
بھی غلام عورتوں کو مقرر کرتا تھا۔

غلاموں کو عام طور پر گھریلو خدمات کے لیے ہی استعمال کیا جاتا تھا۔ ابن بطوطہ نے ان کی  
خدمات کو، پالکی یا ڈولے میں مردوں اور عورتوں کو لے جانے میں خاص طور پر ناگزیر پایا۔ غلاموں  
کی قیمت، بالخصوص ان غلام عورتوں کی جن کی ضرورت گھریلو خدمات کے لیے تھی، بہت کم ہوتی  
تھی۔ زیادہ تر خاندان جو انھیں رکھنے کی قدرت رکھتے تھے کم از کم ایک یا دو غلام تو رکھتے ہی تھے۔

سبھی ہم عصر یورپی سیاحوں اور مصنفین نے عورتوں کے ساتھ کیے جانے والے سلوک کو  
اکثر مغربی اور مشرقی سماجوں کے درمیان اہم فرق کے طور پر نشان زد کیا تھا۔ اس لیے یہ کوئی تعجب  
کی بات نہیں کہ برنیز نے ستی کے رسم و رواج کو تفصیلی ذکر کے لیے منتخب کیا۔ اس نے لکھا کہ گرچہ  
کچھ عورتیں خوشی سے موت کو گلے لگ لیتی تھیں پر دیگر کو مرنے کے لیے مجبور کیا جاتا تھا۔

باوجود اس کے کہ عورتوں کی زندگی ستی کی رسم کے علاوہ دیگر بہت سی چیزوں کے گرد گھومتی  
تھی۔ ان کی محنت زراعت اور غیر زرعی پیداوار، دونوں میں اہم تھی۔ تجارتی گھرانوں سے تعلق  
رکھنے والی خواتین تجارتی سرگرمیوں میں حصہ لیتی تھیں۔ یہاں تک کہ کبھی کبھی تجارتی جھگڑوں کو

عدالت کے سامنے بھی لے جاتی تھیں۔ چنانچہ یہ بعید از قیاس لگتا ہے کہ عورتوں کو ان کے گھروں کے نجی مقامات تک محدود رکھا جاتا تھا۔

آپ نے محسوس کیا ہوگا کہ سیاحوں کے سفر نامے ان صدیوں میں مردوں اور عورتوں کی زندگی کی ایک جھلک پیش کرتے ہیں۔ تاہم ان کے مشاہدات جہاں سے وہ آئے تھے اس تناظر میں اکثر ایک خاص شکل میں دیکھے جاتے ہیں۔ اس زمانے کی سماجی زندگی کے بہت سے پہلوؤں پر ان سیاحوں نے دھیان نہیں دیا۔

ساتھ ہی برصغیر ہند کے مردوں (اور ممکنہ طور پر عورتوں) کے تجربات اور مشاہدات سے نسبتاً لاعلم ہیں جنہوں نے سمندر دہلی اور پہاڑوں کو پار کیا اور برصغیر سے باہر کے علاقوں میں جو کھم بھرے سفر کیے۔ انہوں نے کیا دیکھا اور سنا؟ دور دراز علاقوں کے لوگوں کے ساتھ ان کے تعلقات کس طرح قائم ہوئے، وہ کن زبانوں کا استعمال کرتے تھے؟ امید ہے کہ ان پر اور دیگر سوالات پر آنے والے سالوں میں مؤرخ منصوبہ بند طریقے سے تبادلہ خیال کریں گے۔

## گفتگو کیجیے...

آپ کے خیال میں عام عورتوں کی زندگی نے ابن بطوطہ اور برنیئر جیسے سیاحوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کیوں نہیں کی؟

### شکل 5.13

متھرا سے سنگ تراشی کا ایک پینل، جس میں سیاحوں کو دکھایا گیا ہے۔

آمدورفت کے وہ کون سے ذرائع ہیں جو یہاں دکھائے گئے ہیں؟



## ٹائم لائن کچھ سیاح جنہوں نے اپنے سفر نامے تحریر کیے

|                         |                                                      |                                     |
|-------------------------|------------------------------------------------------|-------------------------------------|
| دسویں صدی۔ گیارھویں صدی | محمد ابن احمد ابوریحان البیرونی<br>(ازبکستان سے)     | 973-1048                            |
| تیرھویں صدی             | مارکو پولو (اطالی سے)                                | 1254-1323                           |
| چودھویں صدی             | ابن بطوطہ (مراکش سے)                                 | 1304-77                             |
| پندرھویں صدی            | عبدالرزاق کمال الدین ابن اسحاق السمرقندی (سمرقند سے) | 1413-82                             |
| 1466-72                 | افاناسی کی ٹچنگی ٹن<br>(پندرھویں صدی، روس سے)        | (ہندوستان میں گزارے سال)            |
| سولھویں صدی             | دوارتے باربوسا، وفات 1521 (پرتگال سے)                | 1518<br>(ہندوستان کا سفر)           |
| 1562                    | سیدی علی رئیس (ترکی سے)                              | (سال وفات)                          |
| 1536-1600               | انٹونیو مانسرات (اسپین سے)                           |                                     |
| سترھویں صدی             | محمد ولی بلخی (بلخ سے)                               | 1626-31<br>(ہندوستان میں گزارے سال) |
| 1600-67                 | پیٹر منڈی (انگلینڈ سے)                               |                                     |
| 1605-89                 | جین باپٹسٹ یورنیر (فرانس سے)                         |                                     |
| 1620-88                 | فرائکولس برنیر (فرانس سے)                            |                                     |

نوٹ: جہاں کوئی اشارہ نہیں ہے، تاریخیں سیاح کے عرصہ حیات کو ظاہر کر رہی ہیں۔

## 100-150 لفظوں میں جواب دیجیے



- 1- کتاب الہند پر ایک نوٹ لکھیے۔
- 2- ابن بطوطہ اور برنیئر نے جن تناظر سے ہندوستان میں اپنے سفر نامے تحریر کیے تھے، ان کا موازنہ کیجیے اور فرق بتائیے۔
- 3- برنیئر کے سفر نامے سے شہری مراکز کی ابھرنے والی تصویر پر بحث کیجیے۔
- 4- سنی کی رسم سے متعلق ابن بطوطہ کی دی گئی شہادتوں کا تجزیہ کیجیے۔
- 5- سنی کی رسم کے کون سے اجزائے ترکیبی نے برنیئر کی توجہ اپنی طرف مبذول کرائی تھی؟

## مندرجہ ذیل پر ایک مضمون (تقریباً 250 سے 300 الفاظ پر مشتمل) لکھیے



- 6- ذات پات کے نظام کے متعلق البیرونی کی فہم پر بحث کیجیے۔
- 7- آپ کے خیال میں کیا ہم عصر شہری مراکز میں طرز زندگی کی صحیح فہم حاصل کرنے میں ابن بطوطہ کا تذکرہ معاون و مددگار ہے؟ اپنے جواب میں اس کے اسباب بتائیے۔
- 8- برنیئر کا سفر نامہ کس حد تک مورخین کو ہم عصر دیہی سماج کو از سر نو تعمیر کرنے کے قابل بناتا ہے؟ بحث کیجیے۔
- 9- برنیئر کے اس اقتباس کو پڑھیے:

ایسے لوگوں کے ذریعہ تیار کردہ دست کاری کے نمونوں کی بہت سی مثالیں ہیں جن کے پاس اچھے اوزاروں کا فقدان ہے اور جن کے متعلق یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ انھوں نے کسی ماہر فن استاد سے کام سیکھا تھا۔ کبھی کبھی وہ یورپ میں تیار اشیا کی اتنی مہارت کے ساتھ نقل کرتے ہیں کہ اصلی اور نقلی کے درمیان فرق کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ دیگر اشیا میں ہندوستانی لوگ بہترین بندوقیں اور ایسے خوبصورت زیورات بناتے ہیں کہ رشک آتا ہے یہ کئی یورپی سنار کارِ رِگِری کے ان عمدہ نمونوں سے بہتر بنا سکتا تھا۔ میں اکثر ان کی تصاویر کی خوبصورتی، ملائمت اور نزاکت و نفاست سے حیرت زدہ ہو جاتا ہوں۔

اس پیراگراف میں ذکر کی گئی دست کاری کی فہرست بنائیے اور اس کا موازنہ اس باب میں مذکور دست کارانہ سرگرمیوں سے کیجیے۔

### نقشے کا کام



10۔ دنیا کے خاکے میں ان ملکوں کو نشان زد کیجیے جن کا سفر ابن بطوطہ نے کیا تھا۔ اس نے کن کن سمندروں کو پار کیا۔

### پروجیکٹ (کوئی ایک)



11۔ اپنے کسی ایسے بزرگ رشتہ دار (والد، والدہ، دادا، دادی، چچا، چچی وغیرہ کا انٹرویو لیجیے جنہوں نے آپ کے شہر یا گاؤں کے باہر سفر کیا ہو۔ معلوم کیجیے (a) وہ کہاں گئے تھے۔ (b) انہوں نے سفر کیسے کیا (c) انہیں کتنا وقت لگا (d) انہوں نے سفر کیوں کیا (e) کیا انہوں نے کسی مشکل کا سامنا کیا۔ اپنے مقام سکونت اور سفر کے مقامات کے درمیان زبان، لباس، غذا، رسم و رواج، عمارات، سڑکیں اور مرد و عورت کی طرز زندگی میں یکسانیت اور فرق کی فہرست بنائیے جنہوں نے ان کی توجہ اپنی جانب مبذول کرائی اور ان سے حاصل معلومات پر ایک رپورٹ تحریر کیجیے۔

12۔ اس باب میں مذکور سیاحوں میں سے ایک کے حالات زندگی اور تحریروں کے متعلق اور معلومات حاصل کیجیے۔ ان کی سیاحت پر ایک رپورٹ تیار کیجیے، خاص طور پر اس بات پر توجہ دیتے ہوئے کہ انہوں نے سماج کا تذکرہ کس طرح کیا تھا اور اس کا موازنہ باب میں دیے گئے اقتباسات سے کیجیے۔



اگر آپ مزید معلومات چاہتے ہیں تو ان کتابوں کا مطالعہ کیجیے:

منظر عالم اور سنجے سبرانیم، 2006

*Indo-Persian Travels in the Age of Discoveries, 1400-1800*

کیمبرج یونیورسٹی پریس، کیمبرج۔

کیتھرائن آشور سنٹھیا ٹالبوٹ، 2006

*India Before Europe.*

پریس، کیمبرج

فرانس برنیئر

*Travels in the Mogul Empire*

AD 1656-1668 لوپراٹز پبلی کیشن، نئی دہلی

ایچ۔ اے۔ آر۔ گب (مرتبہ)، 1993

*The Travels of Ibn Battuta.*

منشی رام منوہر لال، دہلی

مشیر الحسن (مرتبہ)، 2005

*Westward Bound: Travels of*

*Mirza Abu Talib.* آکسفورڈ یونیورسٹی پریس،

نئی دہلی

شکل 5.14  
اس تصویر میں سیاحوں کو آرام کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے



ایچ۔ کے۔ کول (مرتبہ) 1997  
*Travelers' India - an Anthology.*

آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، نئی دہلی

جان باپٹسٹ ٹیورنیر، 1993

*Travels in India.*

منشی رام منوہر لال، دہلی



مزید معلومات کے لیے آپ ویب سائٹ پر رابطہ  
کر سکتے ہیں:

[www.edumaritime.org](http://www.edumaritime.org)